بچوں کے

ڈپٹی نذیر احمد

مکتبہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

بچوں کے

ڈپٹی نذیر احمد

ڈاکٹر اسلم فرخی

مکتبہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

Bachchon Ke Deputy Nazir Ahmad
by
Dr. Aslam Farrukhi
Rs. 10/-

تقسیم کار

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 فون نمبر: 011-26987295
Email: monthlykitabnuma@gmail.com

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔ 6 فون نمبر: 011-23260668
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی۔ 3 فون نمبر: 022-23774857
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔ 2 فون نمبر: 0571-2706142
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ فون نمبر: 011-26987295

فروری ۲۰۱۱ء تعداد: 1000 قیمت: -/10 روپے

سود آفسیٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۲ میں طبع ہوئی

نذیر احمد کی زندگی "ذاتی محنت۔ مسلسل محنت، کوشش اور جدّوجہد کا بڑا اچھا نمونہ ہے۔ وہ طالبِ علم جو اپنے نام کے ساتھ شوقیہ ڈپٹی کلکٹر لکھا کرتا تھا نہ صرف ڈپٹی کلکٹر ہوا بلکہ ڈپٹی کا لفظ اس کے نام کے ساتھ ایسا چپکا کہ آج بھی انہیں صرف نذیر احمد نہیں ڈپٹی نذیر احمد کہا اور لکھا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انگریز پرنسپل ادھر سے گزرا تو دیکھا ایک لڑکا کھڑا رو رہا ہے
کالج کا سالانہ جلسہ تھا۔ انعام تقسیم ہونے والے تھے۔ میلے کا سا
سماں تھا۔ بھیڑ بھاڑ بہت تھی۔ پرنسپل نے سمجھا۔ کالج کا کوئی
لڑکا ہوگا۔ پھر خیال آیا۔ یہ تو بہت چھوٹا ہے۔ پاس گیا۔ چمکارا،
سر پر ہاتھ پھیرا۔ پوچھا "تم کون ہو۔ یہاں کیسے آئے ہو؟" لڑکے
نے بتایا "آج ہمارے مدرسے میں چھٹی ہے۔ سیر کے لیے نکلا
تھا۔ بھیڑ بھاڑ دیکھی یہاں چلا آیا۔ لڑکوں کے ریلے میں گر
پڑا۔ بڑی چوٹ آئی ہے۔ پرنسپل نے پوچھا "تم پڑھتے کیا ہو؟"
لڑکے نے عربی کی اس کتاب کا نام لیا جو اونچی جماعتوں میں
پڑھائی جاتی ہے۔ پرنسپل کو بڑا تعجب ہوا۔ ذرا سا لڑکا اور
ایسی مشکل کتاب۔ اتفاق سے کالج میں مفتی صدر الدین آزردہ
آئے ہوئے تھے۔ بڑے مشہور عالم تھے۔ ساری دلی میں ان
کا شہرا تھا۔ پرنسپل نے لڑکے کو ساتھ لیا۔ مفتی صاحب
کے پاس گیا۔ کہا "یہ لڑکا کہتا ہے میں فلاں کتاب پڑھتا ہوں
مجھے تو یقین آیا نہیں آپ ذرا امتحان لے کر دیکھیے۔" مفتی
صاحب نے لڑکے کو دیکھا۔ پوچھا "کیا پڑھتے ہو؟" لڑکے نے

پھر اسی کتاب کا نام لیا۔ مفتی صاحب نے کتاب منگوائی۔ لڑکے کے سامنے رکھی۔ لڑکے نے فرفر پڑھ دی۔ مطلب بیان کر دیا۔ مفتی صاحب دنگ رہ گئے۔ پرنسپل سے کہا "لڑکا بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ بڑا ہونہار اور ذہین معلوم ہوتا ہے۔" انگریز پرنسپل بھی بہت خوش ہوا۔ بولا "آج سے کالج میں چھٹی ہو رہی ہے۔ چھٹیوں کے بعد کالج کھلے تو آجانا۔ تمھارا نام لکھ لیا جائے گا۔ چار روپے مہینا وظیفہ ملے گا۔" لڑکے کی باچھیں کھل گئیں۔ چار روپے مہینا وظیفہ۔ ساتھ ساتھ تعلیم بھی۔ کالج سے نکلا تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ پانو رکھتا کہیں تھا، پڑتا کہیں تھا۔ خوش خوش اپنے ٹھکانے پنجابی کٹڑے کی مسجد چل دیا۔

اس لڑکے کا نام نذیر احمد تھا۔ اترپردیش کے صوبے میں ایک ضلع ہے بجنور۔ وہاں کے ایک گانو ریہڑ میں پیدائش ہوئی تھی۔ یہ اب سے کوئی ڈیڑھ سو برس پہلے کی بات ہے۔ مولویوں کا خاندان تھا۔ نیک لوگ، خاندانی آدمی، شاہی زمانے میں اچھی خدمتوں پر تھے۔ انگریزی عہد میں وہ بات نہیں رہی مگر عزت بہت تھی۔ باپ نے بیٹے کو پہلے خود پڑھایا۔ جب خود پڑھا چکے تو اپنے ایک جاننے والے مولوی نصر اللہ کے پاس لے گئے۔ مولوی نصر اللہ ڈپٹی کلکٹر تھے۔ بڑے عالم تھے۔ بڑے عہدے پر ہونے کے باوجود درویش تھے۔ طالب علموں کو اپنے یہاں مہمان رکھتے تھے۔ پڑھاتے بھی تھے۔ ان کا خرچ بھی اٹھاتے تھے۔ نذیر احمد کے باپ انھیں بھی مولوی نصر اللہ کے سپرد کر آئے۔ نذیر احمد پڑھتے رہے۔ مولوی

نصر اللہ ڈپٹی کلکٹر تھے جو اُس زمانے میں مُلکی باشندوں کے لیے سب سے بڑا عہدہ تھا۔ نذیر احمد کو بھی شوق ہُوا۔ بڑے ہو کر میں بھی ڈپٹی کلکٹر بنوں گا۔ اپنی ایک کتاب پر نام لکھا نذیر احمد، ڈپٹی کلکٹر۔ دوسرے لڑکوں نے وہ کتاب مولوی نصر اللہ کو دکھا دی۔ شکایت کی۔ نذیر احمد بڑا اونچا اُڑنے لگا ہے۔ ابھی سے اپنے آپ کو ڈپٹی کلکٹر لکھتا ہے۔ مولوی نصر اللہ نے کتاب دیکھی۔ نذیر احمد کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ دُعا دی۔ اللہ تعالیٰ تمھیں ڈپٹی کلکٹر بنائے۔ نذیر احمد کا شوق بہت زیادہ بڑھ گیا۔

مولوی نصر اللہ شہر سے چلے گئے۔ اب نذیر احمد کے والد نے یہ کیا کہ بیٹے کو ساتھ لے کر دلّی آئے۔ دلی کا پرانا شاہی شہر، راج دھانی، آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ کا دور تھا۔ یہاں بے شمار مدرسے تھے۔ ایک سے ایک بڑا عالم۔ استاد اور پڑھانے والا موجود۔ نذیر احمد کے والد ان کو اپنے اُستاد مولوی عبد الخالق کے پاس پنجابی کٹرے کی مسجد میں لے گئے مولوی عبد الخالق بڑے مشہور عالم تھے۔ بزرگ تھے۔ قلعہ مُعلیٰ کے شہزادوں اور شہزادیوں کے بھی استاد تھے۔ باپ بیٹے کو مولوی عبد الخالق کے سُپرد کر کے خود گھر واپس چلے گئے اس زمانے میں رواج یہ تھا کہ طالب علم مسجد کے حجروں میں رہتے تھے۔ کھانا محلّے سے ملتا تھا۔ استاد پڑھاتے بھی تھے اور گھر کا کام کاج بھی لیتے تھے۔ نذیر احمد چھوٹے تھے۔ اس لیے مولوی عبد الخالق کے گھر آتے جاتے تھے۔ گھر کا کام بھی کرتے تھے۔ مولوی عبد الخالق کے بڑے بیٹے مولوی عبد القادر

بڑے لائق تھے۔ بعد میں انھیں کی بیٹی سے نذیر احمد کی شادی ہوئی تھی۔
پنجابی کٹڑے کی مسجد سے نکل کر نذیر احمد دلّی کالج پہنچ گئے۔ عربی کی جماعت میں داخلہ ملا۔ مسجد کے حجرے کی سخت زندگی کے بجائے کالج میں کچھ آسانی بھی محسوس ہوئی۔ مگر نذیر احمد بلا کے محنتی تھے۔ پڑھنے لکھنے میں بڑی محنت کرتے تھے کالج میں بہت اچھے طالب علم سمجھے جاتے تھے۔ یہاں ان کی ملاقات ایسے بہت سے نوجوانوں سے ہوئی جو دلّی کے اچھے گھرانوں کے تھے اور انھیں کی طرح کالج میں پڑھنے آتے تھے ان نوجوانوں میں مولوی ذکاء اللہ اور مولوی محمد حسین آزاد بھی تھے جن سے نذیر احمد کی بڑی گہری دوستی ہوگئی۔ دلّی کالج میں بڑے نامی گرامی اور لائق فائق استاد پڑھاتے تھے۔ انگریز بھی، ملکی بھی، ان سے ملنے جلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نذیر احمد کی سوچ میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ انھیں اندازہ ہوا کہ انگریز کتنی محنتی قوم ہے۔ کالے کوسوں دور رہنے کے باوجود برّصغیر کے بڑے حصّے پر حکومت کر رہے ہیں۔ برّصغیر کے لوگ ان کے مقابلے میں کتنے کم زور ہیں۔ کیسی معمولی حیثیت رکھتے ہیں۔ نئی نئی چیزوں کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ انگریزی پڑھنے کو گناہ سمجھتے ہیں۔ ادھر کسی نے انگریزی پڑھنا شروع کی اور سب نے کہا۔ یہ تو کرسٹان ہوگیا۔ بے دین ہوگیا۔ انگریزوں نے علم کو بڑی ترقی دی تھی۔ بے شمار نئی نئی چیزیں ایجاد کی تھیں۔ ساری دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ ادھر برّصغیر کے لوگ نئی چیزوں کو جانتے ہی نہیں تھے۔ حیرت سے دیکھتے تھے

نئی باتوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ گھر سے نکلنے اور باہر جانے کو بُرا سمجھتے تھے اس وجہ سے بڑی تیزی سے غلام بن رہے تھے۔ بہادر شاہ نام کے بادشاہ تھے۔ اصل بادشاہ انگریز تھے۔ نذیر احمد یہ سب سوچتے تھے اور ان کے خیالات بڑی تیزی سے بدل رہے تھے۔

دلّی کالج میں نذیر احمد نے آنے والے وقت کی ضرورتوں کو محسوس کیا۔ ان کے ذہن میں روشنی پیدا ہوئی۔ انگریزوں کی ترقّی سے ان کے دل میں بھی ترقّی کی اُمنگ پیدا ہوئی کالج میں انھوں نے انگریزی نہیں پڑھی تھی مگر انگریزی سے جو عام نفرت ان دنوں تھی وہ جاتی رہی۔ کالج میں محنت کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ نذیر احمد امتحان میں بہت اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے اور انھیں ایک تمغا بھی ملا۔

کچھ دن بعد نذیر احمد کو ملازمت بھی مل گئی۔ پنجاب کے ضلع گجرات میں ایک قصبہ ہے کنجاہ۔ بڑا تاریخی قصبہ ہے یہاں فارسی کے ایک بڑے مشہور شاعر گزرے ہیں غنیمت کنجاہی۔ کنجاہ میں نیا نیا اسکول قائم ہوا تھا۔ نذیر احمد یہاں اُستاد مقرّر ہو گئے۔ بچّوں کو پڑھانے لگے مگر یہ کام انھیں اپنی لیاقت کے قابل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کچھ اور کام، زیادہ بڑا اور زیادہ ذمّے داری کا کرنا چاہتے تھے۔ کنجاہ میں تھوڑے دن رہے تھے کہ کانپور میں اسکولوں کے ڈپٹی انسپکٹر مقرّر ہو گئے۔ ڈپٹی ہو گئے۔ اسکولوں ہی کے سہی، ڈپٹی صاحب تو کہلائے۔ مگر یہاں بھی اطمینان سے کام نہ کر سکے۔ تھوڑے دن بعد خود ہی نوکری چھوڑ دی۔ نذیر احمد تھے صاف گو

نڈر۔ سچی بات کہے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ انگریز انسپکٹر نے کوئی ایسی بات کہی جو انھیں بُری لگی۔ فوراً ہی سخت جواب دے دیا اور نوکری چھوڑ کر گھر بھی آ گئے۔

نوکری چھوڑ کر نذیر احمد دلّی آ گئے۔ ان کے دلّی آتے ہی جنگِ آزادی شروع ہو گئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لیے لڑی گئی تھی مگر انگریز تھے بہت چالاک ان کا انتظام بھی اچھّا تھا۔ فوج بھی اچھّی تھی اور ان میں اتّحاد بھی تھا۔ ادھر یہ حال کہ سرداروں میں آپس میں ناچاقی۔ کوئی منصوبہ بندی نہیں۔ سب اپنی اپنی مرضی کے مالک۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کی جیت ہوئی۔ انھوں نے ملک کے لوگوں اور خاص طور پر مسلمانوں پر بڑا ظلم کیا۔ ہزاروں مسلمان شہید کر دیے گئے ہزاروں مکان لوٹ لیے گئے۔ مال اسباب غارت ہوا ظالموں کی بے عزّتی ہوئی۔ سب سے زیادہ ظلم اور بربادی دلّی میں ہوئی۔ کیوں کہ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر یہیں رہتے تھے۔ انگریزوں کو یہاں اُن سے بڑا سخت مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ دلّی فتح کرنے کے بعد انگریزوں نے شہر کو جی بھر کر لوٹا اور ہزاروں بے گناہ آدمیوں کو مار دیا۔ نذیر احمد نے یہ سارا ظلم اپنی آنکھ سے دیکھا۔ گھر میں چھُپے بیٹھے رہے۔ جان سلامت یوں رہی کہ مولوی عبدالقادر نے ایک زخمی میم کو اپنے یہاں پناہ دی تھی سڑک پر زخمی پڑی تھی۔ انسانی ہمدردی کے جوش میں گھر اُٹھوا لائے۔ تیمار داری کی۔ اللہ جسے رکھّے اُسے کون چکھّے وہ ٹھیک ہو گئی۔ جنگ ختم ہو گئی تو اس میم کی وجہ سے مولوی عبدالقادر کا گھرانا محفوظ رہا نذیر احمد بھی اسی وجہ سے محفوظ رہے۔

امن چین ہو گیا تو پھر وہی نوکری۔ اب کے نوکری ملی الٰہ آباد میں۔ اسی تعلیم کے محکمے میں ڈپٹی انسپکٹری۔ یہاں نذیر احمد کو انگریزی سیکھنے کا شوق ہوا۔ انگریزی پڑھنے کی ضرورت وہ بہت پہلے سے مانتے تھے۔ اب انھوں نے سوچا ترقی کرنا ہے تو انگریزی سیکھے بغیر چارہ نہیں۔ محنت کی عادت تھی۔ خود ہی انگریزی پڑھنا شروع کر دی۔ ڈکشنری میں لفظوں کے معنی دیکھتے، خود ہی پڑھتے شوق بھی تھا۔ سوجھ بوجھ بھی تھی۔ عربی کے بہت اچھے عالم تھے۔ ایک زبان بہت اچھی آتی ہو تو دوسری زبان سیکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں خاصی انگریزی سیکھ لی۔

ان دنوں الٰہ آباد میں قانونی کتابوں کے ترجمے ہو رہے تھے قانون بنائے جاتے تھے انگریزی میں۔ بنانے والے تھے انگریز مگر بنتے تھے ملک کے آدمیوں کے لیے۔ اس لیے ان کا اردو ترجمہ بھی ضروری تھا۔ ایک کمیٹی یہ کام کر رہی تھی۔ نذیر احمد بھی اس کمیٹی میں شریک ہو گئے اور ایسے اچھے ترجمے کیے کہ ان کی دھاک بیٹھ گئی۔ بڑی تعریفیں ہوئیں۔ سب نے بڑی واہ واہ کی۔ انھوں نے قانون کے ایسے عمدہ ترجمے کیے کہ وہ آج بھی سارے ملک میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ترجمے نذیر احمد کی بہترین یادگار ہیں۔ انعام کے طور پر انھیں تحصیل دار بنا دیا گیا۔ ڈپٹی کلکٹری کا وعدہ ہوا۔ اس زمانے میں تحصیل داری اور ڈپٹی کلکٹری کے لیے امتحان پاس کرنا پڑتے تھے۔ نذیر احمد نے دونوں امتحان پاس کر لیے۔ ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں وہ سارے انگریزوں اور ملکی باشندوں میں اوّل

آئے۔ یہ بات انگریزی حکومت کو پسند نہیں آئی کہ ایک دیسی آدمی انگریزوں سے بازی لے جائے۔ اس امتحان کے بعد سے انگریزوں اور ہندستانیوں کے نتیجے الگ الگ کر دیے گئے۔

نذیر احمد ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ مولوی نصراللہ کے یہاں شوق میں انھوں نے کتاب پر اپنے نام کے ساتھ ڈپٹی کلکٹر لکھا تھا۔ اب وہ سچ مچ ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ مختلف ضلعوں میں کام کرتے رہے۔ سخت محنت کی عادت تھی۔ جو کام ہاتھ میں لیتے پوری محنت اور ذمّے داری سے کرتے۔ مزاج میں سادگی تھی۔ سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے خود دار تھے۔ سچّی بات کہنے میں بالکل نہیں جھجکتے تھے۔ لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ ملازمت میں لکھنے پڑھنے کا کام بھی کرتے رہتے تھے۔ انگریزی کی لیاقت بڑھاتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے اُن کے افسر انھیں پسند کرتے تھے اور محنت کے کام اُن کے سپرد کرتے تھے۔

نذیر احمد کی شادی تو جبھی ہو گئی تھی جب وہ کالج کے طالب علم تھے۔ خیر سے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں بھی تھیں بچّے ذرا سمجھ دار ہوئے تو اُن کے پڑھانے کی فکر ہوئی۔ آج کل کا سا زمانہ تو تھا نہیں کہ ایک سے ایک اچھّی کتاب موجود ہے۔ اچھّے سے اچھے اسکول ہیں۔ سو سوا سو برس پہلے نہ ایسی کتابیں تھیں نہ ایسے اسکول تھے۔ پھر یہ کہ نذیر احمد زیادہ تر دورے پر رہتے۔ بچّے بھی ساتھ ہوتے۔ خود ہی پڑھانے لگے۔ جو کتابیں موجود تھیں وہ انھیں بالکل پسند نہ آئیں۔ کیا کریں۔ پڑھانے کے لیے کتابیں

بھی خود ہی تیار کیں۔ بیٹے میاں بشیر کے لیے چند پند لکھیں۔ بیٹی کے لیے مرات العروس، دُلھن کا آئینہ ۔ بیٹا، بیٹی پڑھتے جاتے۔ ڈپٹی صاحب سبق لکھتے جاتے۔ کتابیں تھیں ایسی کہ بچے دل لگا کر بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔

ایک دن میاں بشیر اپنے چھوٹے سے گھوڑے پر بیٹھے ملازم کے ساتھ سیر کو جا رہے تھے۔ راستے میں ایک باغ تھا وہاں صوبائی تعلیمات کے سب سے بڑے افسر کیمپسن ٹھہرے ہوئے تھے۔ اتفاق سے وہ باہر ہی کھڑے تھے۔ میاں بشیر نے انھیں دیکھا تو گھوڑے سے اُتر پڑے۔ ادب سے سلام کیا۔ کیمپسن نے نام پوچھا، پوچھا "کیا پڑھتے ہو؟" میاں بشیر نے کہا "چند پند"۔ کیمپسن نے حیران ہو کر پوچھا "چند پند، یہ کون سی کتاب ہے جو میں نے نہیں دیکھی۔" میاں بشیر نے کہا "ابا نے میرے لیے لکھی ہے۔" کیمپسن نے کہا "مجھے دکھلاؤ گے؟" "جی ضرور اور آپا کی کتاب بھی دیکھ لیجیے، وہ بھی بہت مزے دار ہے۔" کیمپسن نے کہا "اچھا لاؤ۔ وہ بھی دیکھیں گے۔" میاں بشیر جھپٹے ہوئے گئے۔ اپنی کتاب لی۔ آپا سے ان کی کتاب زبردستی چھین لی اور لے جا کر دونوں کتابیں کیمپسن کو دے دیں۔

شام کو نذیر احمد گھر آئے تو دیکھا میاں بشیر سہمے سہمے سے اور ان کی بہن بگڑی بگڑی سی بیٹھی ہیں۔ بیٹی نے باپ سے شکایت کی۔ "میری کتاب نجانے کسے دے آئے۔ اب کہاں سے آئے گی۔" نذیر احمد نے بیٹی کو چمکارا۔ میاں بشیر سے پوچھا "کیا قصّہ ہے، کتابیں کسے دے آئے؟" میاں بشیر

نے پوری بات کہہ سنائی۔ نذیر احمد کو بڑا تعجب ہوا۔ صاحب نے بچوں کی کتابیں کیوں منگوائیں۔ بھلا اس میں کیا مصلحت ہے، پھر سوچا صبح دریافت کروں گا۔ صبح نذیر احمد کیمپسن سے ملے۔ اس نے کہا "آپ نے ایسی عمدہ کتابیں چھپوائی نہیں۔ چھپا کر رکھ لی ہیں۔ ان کی نقلیں بنوا کر فوراً مجھے بھجوایئے" نقلیں تیار ہوئیں اور کیمپسن کو بھیج دی گئیں۔

کچھ دن کے بعد نذیر احمد کے پاس کیمپسن کا خط آیا کہ مرات العروس بہت اچھی کتاب ہے۔ لڑکیوں کے لیے بہت فائدہ مند۔ تعجب ہے کہ آپ نے ایسی فائدہ مند کتاب چھپوائی نہیں۔ صوبائی حکومت نے یہ طے کیا ہے کہ اس کتاب پر آپ کو ایک ہزار روپے اور ایک عمدہ کلاک انعام میں دی جائے۔ آگرے میں گورنر کا دربار ہوا۔ گورنر تھے عربی کے ایک مشہور عالم انگریز سر ولیم میور۔ انھوں نے انعام دیا، کتاب کی بڑی تعریف کی اور اپنی طرف سے بھی ایک جیب گھڑی نذیر احمد کو تحفے کے طور پر دینے کا اعلان کیا۔

اب کیا تھا۔ مرات العروس کی دھوم مچ گئی۔ چھپ گئی ہر گھر میں پڑھی جانے لگی۔ ہندی میں، بنگالی میں، مرہٹی میں ترجمہ ہوا۔ انگریزی میں ترجمہ ہوا۔ یہ دو بہنوں کا قصہ ہے بڑی بہن اکبری بلا کی پھوہڑ، زبان دراز، بدمزاج اور لڑاکا تھی شادی ہوئی۔ سسرال گئی تو ساس نند سے دن رات جوتم پیزار۔ الگ گھر کے رہی تو اسے بھی برباد کر دیا۔ ایک کٹنی فریب دے کر سارا زیور لے اڑی۔ لاکھ کا گھر خاک کر دیا ایسی پھوہڑ۔ گھر پھونک تماشا دیکھنے والی جاہل عورتیں اس زمانے

میں عام تھیں۔
چھوٹی بہن اصغری بڑی بہن کے بالکل اُلٹ تھی۔ نیک سلیقہ مند۔ دسوں انگلیاں دسوں چراغ۔ گھر کا اُجالا۔ ماں باپ کے کلیجے کی ٹھنڈک۔ پڑھنے لکھنے کی شوقین، محنتی۔ جب تک ماں باپ کے گھر رہی۔ سارے گھر کی دیکھ بھال۔ کام کاج سب کچھ اسی کے سپُرد تھے۔ دونوں بہنوں کی شادیاں بھی دو سگے بھائیوں سے ہوئی تھیں۔ اکبری نے لڑکر اپنا گھر الگ بسایا۔ اصغری ساس نند کے ساتھ رہی اور گھر کا ایسا اچھا انتظام کیا کہ کایا ہی پلٹ دی۔ میاں کی اصلاح کی، نند کی تربیت کی، ساس کی خدمت کی، ایک بڑے رئیس کی بدشوق، زبان دراز لڑکی حُسن آرا کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے گھر میں مکتب قائم کیا۔ حُسن آرا اور بہت اسی لڑکیوں کو پڑھا لکھا کر انسان بنا دیا۔ مرات العُروس کو بہت سے لوگ اصغری اکبری کی کتاب بھی کہتے ہیں۔ اب سے ساٹھ ستّر برس پہلے یہ کتاب لڑکیوں کو جہیز میں دی جاتی تھی۔ بہت سی پڑھی لکھی عورتوں کو پوری کتاب زبانی یاد تھی۔ اس کی وجہ سے ملک کی مسلمان لڑکیوں میں پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس زمانے میں لڑکیوں کو پڑھانے کا دستور نہ تھا بہت ہوا تو قرآن شریف پڑھا دیا۔ لکھنا نہیں سکھایا جاتا تھا اسے بُرا سمجھتے تھے۔ "مرات العروس" نے لڑکیوں کی حالت میں انقلاب بپا کر دیا۔

مرات العُروس لکھنے کے بعد نذیر احمد نے اس کا دوسرا حصّہ بنات النّعش کے نام سے لکھا (بنات النّعش۔ نعش کی بیٹیاں۔ ستاروں کا ایک جُھرمٹ) اصغری کے مکتب کی کہانی اس کتاب میں پوری ہوگئی۔ یہ کتاب بھی بہت پسند کی گئی حکومت

نے اس کتاب پر بھی پانچ سو روپے کا انعام دیا۔
مرات العروس اور بنات النعش کے بعد نذیر احمد نے اپنی تیسری کتاب "توبتہ النصوح" لکھی (توبتہ النصوح۔ نصوح کی توبہ۔ نصوح ایک شخص کا نام تھا) نذیر احمد کی یہ کتاب بھی بڑی زبردست ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ان کی سب سے اچھی کتاب ہے۔ نذیر احمد جانتے تھے کہ بچّوں کی صحیح تعلیم و تربیت ماں باپ کی سب سے بڑی ذمّے داری ہے۔ مستقبل کے شہریوں کو اچھی تعلیم اور تربیت نہیں ملے گی تو وہ آگے چل کر ملک اور قوم کی خدمت کیسے کریں گے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتائے ہوئے راستے پر کیسے چلیں گے۔ بہتر انسان کیسے بنیں گے۔ ان سب باتوں کے لیے بچّوں کی عمدہ تربیت بہت ضروری ہے جو ماں باپ بچّوں کی تعلیم اور تربیت سے غفلت برتتے ہیں وہ اپنا فرض ادا نہیں کرتے۔ بچّوں کی تعلیم تربیت کے لیے ماں باپ کو بھی محنت کرنا پڑتی ہے۔ بچّوں کے سامنے اچھا نمونہ بننا پڑتا ہے۔ اگر ماں باپ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں تو بچّوں کو نماز روزہ سکھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ماں باپ کی دیکھا دیکھی خود ہی نماز بھی پڑھنے لگیں گے۔ روزے بھی رکھیں گے۔ لیکن اگر ماں باپ نماز روزے کے پابند نہیں تو بچّے کیسے سیکھیں گے۔ ماں باپ کے توجہ نہ کرنے سے بچّے نافرمان اور بے قابو ہو جاتے ہیں اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ قوم اور ملک کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ ماں باپ لڑاکا ہوں گے تو بچّوں میں بھی یہی عادت پیدا ہو جائے گی۔ ماں باپ نیک ہوں گے تو بچّے بھی نیک ہوں گے

جیسی امّاں ، ابّا ویسی اولاد۔

توبتہ النّصوح میں نذیر احمد نے انھیں باتوں کو ایک مزے دار قصّے کے انداز میں بیان کیا ہے۔ ماں باپ ، بچّوں کی اصلاح کے لیے پہلے اپنی اصلاح کرتے ہیں۔ پھر بچّوں کو سمجھاتے بُجھاتے ہیں۔ چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں ماں باپ کے سمجھانے سے اپنا فائدہ نقصان سمجھ لیتے ہیں لیکن بڑا لڑکا کلیم نافرمان تھا اس نے کسی کی نہیں سُنی۔ من مانی کرتا رہا۔ ماں باپ کو ستاتا رہا۔ ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتا رہا مگر نہ سنبھلا اور جب سنبھلا تب چڑیاں کھیت چُگ چکی تھیں۔ نذیر احمد کی یہ کتاب بھی بہت پسند کی گئی۔ انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہوا۔ حکومت نے اس کتاب پر بھی ہزار روپے کا انعام دیا توبتہ النّصوح آج بھی بڑے شوق اور دل چسپی سے پڑھی جاتی ہے۔ اس کا ایک کردار مرزا ظاہر دار بیگ ایسا مشہور ہوا ، اتنا مشہور ہوا کہ لوگ اُسے سچ مچ کا انسان سمجھنے لگے توبتہ النّصوح ، اسکولوں ، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں بھی پڑھائی جاتی ہے۔ طالب علم اُسے پڑھتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس زمانے میں مسلمانوں کی بہت بڑی ریاست تھی حیدرآباد دکن۔ ریاست کاہے کو تھی ، ایک پورا ملک تھا انگریزی علاقوں کے مقابلے میں ریاستوں کا انتظام خراب ہوتا تھا۔ حیدرآباد کے ایک وزیرِ اعظم سرسالار جنگ کو یہ خیال آیا کہ ریاست کا انتظام بہت عمدہ ، انگریزی علاقے کے انتظام کی طرح ہونا چاہیے۔ اس کام کے لیے انھوں نے ملک کے نامور ، محنتی اور

لائق آدمیوں کو اپنے یہاں انتظام سنبھالنے کے لیے بُلایا۔ بہت سے لائق آدمی حیدر آباد گئے۔ سارے ملک سے اچھے اچھے افسر چُنے گئے۔ نذیر احمد کے کام، لیاقت اور محنت کا بڑا شہرا تھا۔ سالار جنگ نے انھیں بھی حیدر آباد بُلا لیا۔ وہ حیدر آباد جاکر ایک بڑے عہدے، پر کام کرنے لگے اور اپنی محنت اور مستعدی کی وجہ سے بہت کامیاب ہوئے۔

سالار جنگ، نذیر احمد پر بڑا بھروسا کرتے تھے۔ انتظامی کام سیکھنے کے لیے اپنے بڑے بیٹے کو اُن کے پاس بھیجتے تھے حیدر آباد دکن کے نواب میر محبوب علی خاں اُس زمانے میں بچے تھے سالار جنگ نے ان کی تعلیم کے لیے کچھ چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی نذیر احمد سے لکھوائیں۔ نذیر احمد حیدر آباد کے مختلف علاقوں میں رہے۔ جہاں گئے، محنت سے کام کرتے رہے وہیں اُنھیں خیال آیا کہ میں نے عربی بڑی محنت سے پڑھی ہے۔ عربی کے بے شمار شعر یاد ہیں۔ کہاوتیں یاد ہیں۔ محاورے یاد ہیں کیوں نہ قرآن شریف بھی حفظ کر لیا جائے تاکہ عربی کا شوق بھی پورا ہو جائے اور ثواب بھی ہو۔ باوجودیکہ دورے پر رہتے تھے۔ دن رات کام میں لگے رہتے تھے۔ عمر بھی خاصی ہو گئی تھی مگر شوق اور محنت سے ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔ انھوں نے کُل چھے مہینے اور سترہ دن میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ جس نے سُنا تعجب کیا۔ ایسا تیز ذہن۔ ایسا اچھا حافظہ۔ اتنی کم مدت میں یاد کر لینا واقعی تعجب کی بات ہے۔

نذیر احمد نے قرآن حفظ کر لیا۔ چرچا ہوا تو ایک جاگیر دار ان سے ملنے آئے۔ بیٹھتے ہی بڑے تعجب سے پوچھا "مولوی

صاحب آپ نے پورا قرآن شریف حفظ کیا ہے۔" نذیر احمد نے کہا "جی ہاں"۔ جاگیر دار نے پھر حیرت سے پوچھا "پورا قرآن شریف۔ نذیر احمد نے پھر کہا "جی ہاں"۔ جاگیر دار نے پھر پوچھا "مولوی صاحب۔ ایک ایک لفظ حفظ کیا ہے یا کچھ چھوڑ دیا ہے۔" نذیر احمد نے کہا۔ "ایک ایک لفظ یاد کیا ہے چھوڑا کچھ نہیں ہے۔" جاگیر دار یہ سن کر تعجب کرتے ہوئے چلے گئے۔

حیدر آباد میں نذیر احمد بہت بڑے عہدے پر تھے مگر رہن سہن کا انداز سیدھا سادہ، بہت معمولی، نہ کوئی ٹھاٹ باٹ نہ دھوم دھام۔ وہ بڑے کفایت شعار آدمی تھے۔ ظاہر داری سے گھبراتے تھے۔ ریاستوں میں جوڑ توڑ بہت ہوتے تھے۔ دن رات سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ آج یہ نکالا گیا۔ کل وہ آگیا۔ یہی ہوتا رہتا تھا مگر نذیر احمد کو ان جھگڑوں سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ کام سے کام نہ کسی جوڑ توڑ میں شریک، نہ کسی سازش سے اُن کا تعلق۔ جھوٹی شان و شوکت سے انھیں چڑ تھی کام سے جو وقت بچتا لکھنے پڑھنے میں گزر جاتا مگر حیدر آباد میں رہ کر وہ کوئی کتاب نہ لکھ سکے۔ مصروفیت ہی اتنی تھی۔

نذیر احمد سات برس حیدر آباد میں رہے۔ پھر یہ ہوا کہ سالارِ جنگ مر گئے۔ ان کے بیٹے وزیر اعظم ہو گئے۔ وہ سالارِ جنگ ثانی کہلائے۔ سالارِ جنگ ثانی نذیر احمد سے کام بھی سیکھ چکے تھے۔ نذیر احمد انھیں پڑھاتے بھی تھے۔ ہفتے میں دو بار سبق ہوتا۔ نذیر احمد وزیر اعظم کے یہاں جاتے تھے۔ ہونے یہ

لگا کہ وہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابھی دوستوں سے بات چیت ہو رہی ہے۔ یا وزیرِ اعظم کسی کام میں مصروف ہیں۔ نذیر احمد بیٹھے انتظار میں سوکھتے رہتے تھے وہ بڑے صاف گو، لگی رپٹی نہیں رکھتے تھے جو کچھ دل میں آتا کہتے ضرور تھے ایک دن زیادہ دیر بیٹھنا پڑا۔ نواب صاحب بہت دیر میں آئے۔ نذیر احمد کہنے لگے "سرکار! اب آپ وزیرِ اعظم ہوگئے ہیں اب سبق کی کیا ضرورت ہے۔" اتنی اور ایسی صاف بات سالارِ جنگ ثانی کو یقیناً بُری لگی ہوگی کیونکہ وہ صبح سے شام تک خوشامد کی باتیں سُنتے رہتے تھے۔ یہ بات سُن کر انھیں ضرور تکلیف ہوئی ہوگی مگر نذیر احمد حق بات کے سامنے کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے جو بات حق سمجھتے اُسے ضرور کہتے۔ کچھ دن بعد انھوں نے ملازمت چھوڑ دی۔ پنشن لے لی۔ دلّی واپس آگئے۔ دوبارہ لکھنے، پڑھنے اور پڑھانے کے کاموں میں مشغول ہوگئے۔

نذیر احمد اب پورے اطمینان کے ساتھ کتابیں لکھنے میں لگ گئے۔ کتابیں لکھنے سے اِن کا مقصد قوم کی اصلاح تھا۔ مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح سب کا مقصد یہی تھا۔ یہ ہماری قومی تاریخ کا اصلاحی دور تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی نے مسلمانوں پر بڑا بُرا اثر کیا تھا۔ جنگ ہار جانے کی وجہ سے اُن کی ہمّت ٹوٹ گئی تھی۔ حکومت چھِن گئی تو دلوں میں مایوسی دوڑ گئی تعلیم اور ترقی کے میدان میں دوسروں سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ انگریزی پڑھنے اور مغربی خیالات کو بُرا سمجھتے تھے اِس مایوسی کو ایک باہمّت مسلمان سیّد احمد نے جو بعد میں سرسیّد

کہلائے بڑی محنت، خلوص اور سوجھ بوجھ سے دور کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی ہمّت بندھائی۔ نیا حوصلہ پیدا کیا۔ مسلمانوں کو ایک قوم بنایا۔ انگریزی تعلیم کے لیے علی گڑھ میں ایک مدرسہ قائم کیا جو اب مسلم یونی ورسٹی بن گیا ہے۔ سرسیّد نے بُرے رسم و رواج کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اتفاق یہ کہ انھیں ایسے اچھّے اور ہمدرد ساتھی بھی مل گئے جنھوں نے اُن کی اصلاحی کوششوں کو کامیاب بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ نذیر احمد بھی سرسیّد کے انھیں ہمدرد ساتھیوں میں تھے۔

نذیر احمد نے سب سے پہلے اپنے قلم سے کام لیا۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے کتابیں لکھنا شروع کیں۔ "فسانۂ مبتلا" لکھّا "ایامیٰ" لکھّی، "رویائے صادقہ" لکھّی اور "ابن الوقت" لکھّی۔ ان چاروں کتابوں میں اصلاحی اثر بہت زیادہ ہے۔ 'فسانۂ مبتلا' میں دو شادیوں کی خرابیاں بیان کی ہیں۔ 'ایامیٰ' میں بیواؤں کی شادی کی تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر کوئی عورت بیوہ ہوجائے تو اس کی دوسری شادی کر دی جائے مگر حالت یہ ہوگئی تھی کہ لوگ بیواؤں کی شادی کو بُرا سمجھنے لگے تھے۔ بچاری بیواؤں کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔ 'رویائے صادقہ' میں سچّی اسلامی زندگی کا نقشا کھینچا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام ہی وہ سچّا دین ہے جو عقل کے عین مطابق ہے۔

'ابن الوقت' میں بے سوچے سمجھے آنکھ بند کر کے انگریزوں کی نقل کرنے کی بُرائیاں لکھّی گئی ہیں۔ نذیر احمد کے زمانے میں بعض لوگوں نے انگریز بننے کی دُھن میں اپنا رہن سہن اور

حلیہ بدل لیا تھا۔ کالے انگریز بن گئے تھے۔ انگریزوں نے انھیں منہ نہیں لگایا اور اپنے بھائی بند انھیں بہت بُرا سمجھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ 'فسانہ مبتلا' اور 'ابن الوقت' دونوں بڑے مزے دار کتابیں ہیں۔

یہ سارے کام ہوتے رہے۔ انھیں کے ساتھ نذیر احمد نے ایک زبردست کام کیا۔ قرآن مجید کا اردو ترجمہ۔ قرآن شریف اللہ کا کلام ہے۔ عربی زبان میں ہے۔ جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ اسے پڑھ کر مطلب بھی سمجھ لیتے ہیں۔ جو عربی نہیں جانتے وہ محض ثواب کی خاطر پڑھتے ہیں۔ جب تک عربی ہماری تعلیم میں شامل رہی لوگ، قرآن شریف کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ عربی کی تعلیم کم ہوگئی تو قرآن شریف کا مطلب سمجھنے میں بھی دقت ہونے لگی۔ اس دِقت کو سمجھ کر دلّی کے ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ شاہ رفیع الدین نے اردو میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا۔ شاہ صاحب کا ترجمہ کوئی دو سو برس پہلے ہوا تھا مگر اب بھی لاجواب ہے۔ پھر کچھ برس بعد انھیں کے ایک بھائی شاہ عبد القادر نے بھی ایک ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ پہلے ترجمے سے بہتر ہے اور آج بھی خوب پڑھا جاتا ہے۔ ان دو ترجموں کے بعد بعض اور ترجمے بھی ہوئے مگر وہ پورے چھپے نہیں۔

آج سے کوئی سو برس پہلے نذیر احمد نے بھی قرآن شریف کا ترجمہ کیا۔ وہ عربی کے بڑے عالم تھے۔ با محاورہ زبان بہت عمدہ لکھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا ترجمہ بہت کامیاب رہا، بہت پسند کیا گیا۔ اس کی وجہ سے نذیر احمد کی

بڑی شہرت ہوئی۔ قرآن شریف کے ترجمے کی وجہ سے نذیر احمد نے کچھ اور کام بھی کیے۔ قرآن مجید میں جتنی دعائیں آتی ہیں۔ وہ سب ایک چھوٹی سی کتاب میں جمع کیں۔ ہر دعا کے شروع میں یہ لکھا کہ یہ کس موقعے کی ہے۔ اس دعا کا کیا مطلب ہے۔ اس کتاب کا نام "ادعیۃ القرآن" (قرآنی دعائیں) رکھا۔ پھر ایک کام یہ کیا کہ اسلامی حکم، احکام کی ایک کتاب تین حصّوں میں تیار کی۔ اس میں سارے اسلامی اصول اور طور طریقوں کو قرآن مجید اور حدیث کے حوالے سے بیان کر دیا ہے مثلاً نماز ہے۔ تو پہلے نماز کے بارے میں ساری قرآنی آیتیں ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وہ سب حدیثیں ہیں جو نماز کے بارے میں ہیں۔ پھر اُن کی تشریح ہے کہ نماز کی شرطیں کیا ہیں۔ آدمی پاک صاف ہو، وضو کر چکا ہو۔ پاک صاف ہونے کا مطلب۔ وضو کا طریقہ۔ ان باتوں کا بیان جن سے وضو قائم نہیں رہتا۔ پھر نمازوں کا بیان۔ کتنے وقت کی فرض ہیں۔ ہر نماز میں کتنے فرض۔ کتنی سُنتیں۔ کتنے نفل کتنے وِتر۔ فرض نمازوں کے علاوہ اور کون کون سی نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ غرض نماز کے بارے میں ساری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اور معلومات ہیں۔ اس کتاب کا نام ہے "الحقوق والفرائض"، بڑی محنت سے لکھی گئی ہے۔

نذیر احمد کی ایک اور کتاب "الاجتہاد" ہے۔ یہ اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے لکھی گئی ہے کہ ہم مسلمان کیوں ہیں۔ کیا صرف اس لیے کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ نذیر احمد نے اس کتاب میں یہ دکھایا ہے کہ ہمارے مسلمان ہونے

کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ ہم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ اصلی وجہ یہ ہے کہ اسلام سچا دین ہے۔ سب سے اچھا اور مکمل دین ہے۔ انسانی عقل کے مطابق ہے۔ اس کے اصولوں پر عمل کرنے سے انسان بہترین زندگی گزارتا ہے۔

"الاجتہاد" میں نذیر احمد نے بیان کا انداز بھی بڑا دلچسپ رکھا ہے۔ پوری کتاب سوال جواب کے انداز میں ہے ایک آدمی سوال پوچھتا جاتا ہے۔ دوسرا جواب دیتا جاتا ہے بات چیت کا بے تکلف انداز۔ اس طرح بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔

نذیر احمد کی آخری کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیبیوں کے بارے میں تھی نام تھا "امہات الامۃ" (امت کی مائیں) قرآن مجید کے ترجمے۔ الحقوق والفرائض اور الاجتہاد کی وجہ سے نذیر احمد کا شمار دین کی خدمت کرنے والوں اور قرآنی معلومات پھیلانے والوں میں ہوتا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ بعض چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں۔ جو طالب علموں کے لیے لکھی گئی ہیں۔ دو کتابیں عربی قواعد کے بارے میں۔ ایک چھوٹی سی کتاب اردو رسم الخط (لکھنے کے طریقے اور انداز) کے بارے میں۔ ایک کتاب علم منطق کے بارے میں ہے۔ مبادی الحکمت اس کا نام ہے ایک ترجمہ مصائب غدر ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بارے میں ہے۔ ایک بڑا ترجمہ "تاریخ تاج پوشی" ہے۔ ۱۹۰۳ء میں دلی میں انگریز بادشاہ کی تاج پوشی کی خوشی میں ایک دربار ہوا تھا۔ حکومت نے نذیر احمد سے کہا کہ انگریزی میں جو کتاب اس دربار کے بارے میں

لکھی گئی ہے اس کا اردو ترجمہ کر دیں۔ انھوں نے ترجمہ کر دیا۔
نذیر احمد نے اپنے بیٹے میاں بشیر کو جو خط لکھے تھے انھیں بھی ایک کتاب کی شکل میں جمع کر کے چھاپ دیا گیا ہے "مواعظ حسنہ" اس کا نام ہے۔ میاں بشیر تعلیم کی وجہ سے دلّی میں رہتے تھے۔ نذیر احمد سرکاری ملازمت میں رہے تو گھر سے دور۔ پھر حیدر آباد چلے گئے۔ تعلیم کی وجہ سے بیٹے کو دلّی میں چھوڑ دیا۔ خط لکھتے رہتے تھے۔ ایسے محبّت بھرے خط ہیں۔ ایسی عمدہ نصیحتیں ہیں۔ مشورے ہیں کہ آج بھی انھیں پڑھ کر دل پر بہت اثر ہوتا ہے۔ نذیر احمد نے عام زندگی کی باتیں بڑے اچھّے طریقے سے بیان کی ہیں۔ دُنیا کی اونچ نیچ۔ رشتے داروں سے برتاو، زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ، محنت کے فائدے، دل لگا کر پڑھنے کی ضرورت، ترقّی کرنے کا جذبہ۔ غرض کوئی بات ایسی نہیں جو محنتی اور لائق باپ نے نو عمر اور ناتجربہ کار بیٹے کو نہ سمجھائی ہو۔ اور وہ بھی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ نہیں۔ دوست اور برابر کا ساتھی بن کر۔ بڑے اچھّے خط ہیں۔ لفظ لفظ سے شفقت ٹپکتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تجربہ کار آدمی ہے جو ایک سیدھے سادے بھولے بھالے نوجوان کو بڑے خلوص اور بڑی محبّت سے دُنیا کے طور طریقے بتا اور سکھا رہا ہے یہ خط نوجوانوں ہی کے لیے نہیں، بڑوں کے لیے بھی بہت فائدہ مند ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بڑوں کو چھوٹوں سے کس طرح کا برتاو کرنا چاہیے۔
اللہ تعالیٰ نے نذیر احمد کو لکھنے کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ تقریر کی خوبی بھی دی تھی۔ جس طرح لکھنے میں وہ اپنی مثال آپ

تھے۔ اسی طرح تقریر میں بھی لاجواب تھے۔ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جو لوگ قلم کے دھنی ہوتے ہیں وہ تقریر میں پھس پھسے ہوتے ہیں اور عمدہ تقریر کرنے والے لکھنے میں کمزور ہوتے ہیں مگر کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو لکھنے اور بولنے دونوں میں یکساں کمال رکھتے ہیں۔ نذیر احمد بھی ایسے ہی انسان تھے جن لوگوں نے ان کو تقریر کرتے سُنا ہے ان کا کہنا ہے کہ نذیر احمد جب چاہتے تھے مجمعے کو رُلا دیتے تھے جب چاہتے تھے ہنسا دیتے تھے اس زمانے میں مائک اور لاؤڈ اسپیکر نہیں تھے۔ تقریر کرنے والے کو پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر چیخنا پڑتا تھا۔ مجمع جتنا زیادہ ہو اتنی ہی تیز اور اونچی آواز ضرور ہوتی تھی۔ نذیر احمد کی آواز بڑی گرج دار تھی۔ کتنا ہی بڑا مجمع ہو ان کی آواز سب کو سُنائی دیتی تھی اور خوب سمجھ میں آتی تھی۔

سرسیّد اس زمانے میں علی گڑھ کالج کے لیے چندہ جمع کر رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے ہر سال کسی بڑے شہر میں جلسہ کرتے۔ نذیر احمد تقریر کرتے۔ ایسی تقریر ہوتی کہ لوگ دل کھول کر چندہ دیتے۔ نذیر احمد نے اپنی زور دار تقریروں سے سرسیّد کے کاموں میں ان کی بڑی مدد کی۔ لاہور، دلّی، لکھنؤ، نجانے کہاں کہاں سرسیّد کے ساتھ گئے۔ جہاں جاتے ایسی زور دار تقریر کرتے کہ روپے کا مینہہ برسنے لگتا۔ سرسیّد جہاں بھی جلسہ کرتے نذیر احمد کو ضرور ساتھ لے جاتے۔ سرسیّد کی طرح نذیر احمد کو بھی قومی اصلاح اور قومی ترقّی کی دُھن تھی۔ چاہتے تھے کہ قوم آگے بڑھے۔ ترقی

کرے۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ قوم کے نوجوان ملازمتوں کے پیچھے نہ بھاگیں۔ تجارت کریں۔ کاروبار کریں۔ مسلمان اس زمانے میں تجارت اور کاروبار میں بہت پیچھے تھے۔ کاروبار کو پسند بھی نہیں کرتے تھے۔ اسے اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے نذیر احمد نے جگہ جگہ تجارت کے فائدوں پر لیکچر دیے۔ لوگوں کو سمجھایا، بتایا کہ تجارت میں بڑے فائدے ہیں۔ آزاد پیشہ ہے ملازمت بڑی سے بڑی ہو مگر ہے غلامی۔ نذیر احمد نے اپنی تقریروں سے نوجوانوں میں تعلیم کا شوق پیدا کیا۔ بُرے رسم و رواج سے نفرت دلائی۔ قومی غیرت کا جذبہ ابھارا۔ محنت پر توجہ دلائی۔ نذیر احمد کی تقریریں جمع کر کے کتاب کی شکل میں چھاپ دی گئی ہیں۔ انھیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے وہ کیسی زبردست تقریر کرنے والے تھے۔ کیسے کیسے نکتے بیان کرتے تھے۔ قومی ہمدردی کا کتنا خیال تھا۔ تقریروں میں کیسا جوش ہوتا تھا سننے والوں پر کیا اثر ہوتا ہوگا۔ پھر یہ کہ نذیر احمد کھری بات کہنے والے تھے۔ صاف گو تھے اس وجہ سے بھی ان کی تقریر میں بڑا اثر ہوتا تھا آج بھی جب اعلا درجے کی تقریریں کرنے والوں کا ذکر ہوتا ہے تو نذیر احمد کا نام ضرور آتا ہے۔

نذیر احمد تقریر سے پہلے اپنی لکھی ہوئی نظم بھی پڑھتے تھے ان کی نظموں کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا تھا۔

عام زندگی میں نذیر احمد سیدھے سادے کھرے اور صاف گو آدمی تھے۔ نہ کسی سے ڈرتے تھے نہ کسی سے دبتے تھے۔ تقریر کرنے کھڑے ہوتے تو سب کچھ ڈنکے کی چوٹ پر کہتے۔ کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ ذہن بڑا تیز تھا۔ موقع

کے لحاظ سے ایسی بات کہتے کہ جو سنتا دنگ رہ جاتا۔ ایک بار افغانستان کے بادشاہ امیر حبیب اللہ دلّی آئے۔ انگریزی حکومت نے اُن سے دلّی کے نامی گرامی آدمیوں کی ملاقات کرائی۔ اُن لوگوں میں نذیر احمد بھی تھے۔ نذیر احمد ملاقات کے لیے گئے تو انھوں نے امیر حبیب اللہ کو دیکھتے ہی عربی کا ایک شعر پڑھا کہ آج تین عیدیں جمع ہوگئی ہیں۔ جمعے کا دن، عید کا دن، اور حبیب کا چہرہ جو عید کی طرح ہے امیر حبیب اللہ نے شعر سُنا تو خوشی کے مارے جھپٹ کر نذیر احمد کو گلے لگا لیا۔ محبّت سے ایسا بھینچا کہ نذیر احمد کی پسلیاں دُکھنے لگیں بعد میں انھوں نے ایک دوست سے کہا" میاں یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیر کے پنجے میں آگیا ہوں۔ ایسا دبوچا کہ اب دم نکلا۔ وہ خوش ہو رہے تھے یہاں جان نکلی جا رہی تھی!"

نذیر احمد بڑے سے بڑے آدمی کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ بڑے نڈر تھے۔ اپنی عزّت کا خیال رکھتے تھے۔ بڑے خود دار تھے۔ ایک دفعہ دلّی کے ڈپٹی کمشنر نے شہر کے کچھ بڑے آدمیوں کو جمع کرنا چاہا۔ شہر کے بارے میں کوئی بات کرنا ہوگی۔ اس نے تحصیل دار سے کہہ دیا۔ فلاں فلاں کو بلالو۔ تحصیل دار نے یہ کیا کہ ایک فہرست میں سب کے نام لکھے اور اسی فہرست پر اطلاع لکھوا دی کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت سب آجائیں۔

نذیر احمد نے یہ فہرست دیکھی تو اس معمولی طریقے سے بلائے جانا انھیں کچھ اچھا نہیں معلوم ہوا۔ انھوں نے اس فہرست پر لکھ دیا، اگر یہ دوستانہ بلاوا ہے تو بلاوے کا خط آنا چاہیے تھا اور سرکاری بلاوا ہے تو عدالتی نوٹس آنا

چاہیے ۔ یہ نہ دوستانہ بلاوا ہے نہ نوٹس۔ آنا نہ آنا میری مرضی پر ہے تو میں نہیں آسکتا۔،، ڈپٹی کمشنر نے فہرست پر نذیر احمد کا یہ جملہ لکھا ہوا دیکھا تو اس نے فوراً بلاوے کا خط لکھا اور ان سے معافی چاہی۔

نذیر احمد بظاہر بہت سخت تھے مگر اندر سے دل کے نرم بھی تھے۔ بگڑتے بھی فوراً تھے اور ذرا سی دیر میں ٹھیک بھی ہو جاتے تھے۔ ایک بڑا انگریز افسر اُن کا دوست تھا، وہ ایک بار دلی آیا۔ نذیر احمد اُس سے ملنے گئے۔ چپراسی نے دیکھا ایک معمولی حیثیت کا آدمی اتنے بڑے افسر سے ملنے آیا ہے۔ دروازے ہی پر روک دیا۔ انھوں نے لاکھ کہا۔ بھئی اطلاع کر دو مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ بہت دیر ہوگئی تو بولا" اتنے بڑے افسروں کے یہاں ایسے ہی نہیں پہنچ جاتے۔ مٹھی گرم کرنا پڑتی ہے"نذیر احمد نے ہار کر جیب سے دو روپے نکالے اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ اب کیا تھا۔ چپراسی۔ دوڑا دوڑا اندر گیا اطلاع دی۔ صاحب نے نذیر احمد کو فوراً بلا لیا وہ کمرے میں پہنچے تو کھڑے ہو کر استقبال کیا، پوچھا "مولوی صاحب! مزاج شریف،، مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ نذیر احمد بولے۔" اس وقت مزاج بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ نہ آپ سے ہاتھ ملا سکتا ہوں۔،، صاحب نے حیران ہو کر پوچھا "کیوں کیا ہوا؟" نذیر احمد کہنے لگے" آپ کے چپراسی کو دو روپے دیے ہیں۔ تب یہاں پہنچا ہوں، مزاج کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے" صاحب یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ چپراسی کو بلایا، پوچھا۔ "روپے لیے ہیں؟" روپے اس کی جیب میں موجود تھے۔ انکار

کیسے کرتا۔ چپ رہا۔ صاحب نے کہا "تم ابھی برخاست" نذیر احمد سے کہا۔ "اب ہاتھ ملائیے"۔ نذیر احمد بولے "میرے روپے ابھی مجھے واپس نہیں ملے"۔ صاحب نے ان کے روپے واپس دلوائے اور ہاتھ بڑھایا مگر نذیر احمد نے پھر بھی ہاتھ نہیں ملایا۔ انگریز نے پوچھا۔ "مولوی صاحب! اب کیا بات ہے" کہنے لگے۔ "میرے روپے مجھے واپس مل گئے۔ اب اس چپراسی کا قصور بھی معاف کر دیجیے۔ پھر ہاتھ ملاؤں گا۔" مجبوراً صاحب نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ نذیر احمد نے اس کے بعد ہاتھ ملایا اور بات چیت کی۔ سختی بھی ایسی اور نرمی بھی ویسی ہی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ بالکل ٹھیک۔ دونوں ضروری تھیں یہ نذیر احمد کا خاص مزاج تھا۔

ملک سے باہر بھی نذیر احمد کا بڑا نام ہوا۔ انگلستان کی ایڈنبرا یونی ورسٹی نے انھیں ایل ایل ڈی کی ڈگری دی۔ پنجاب یونی ورسٹی نے انھیں ڈی او ایل کی ڈگری دی۔ یہ ڈگری علمی کام کرنے والے بڑے عالموں کو دی جاتی ہے۔ انگریزی حکومت نے انھیں شمس العلما کا خطاب دیا۔ (شمس العلما۔ عالموں کا سورج) انھوں نے اس کے بارے میں ایک شعر بھی کہا تھا ؎

کیوں کر کہیں کس سے کہیں ہم کون ہیں کیا ہیں
اک ذرہ ہیں اور نام کو شمس العلما ہیں

یہ سب کچھ ہوا، اور نذیر احمد اپنے اُسی عام آدمی والے انداز میں گھر بیٹھے کتابیں لکھتے رہے۔ طالب علموں کو پڑھاتے رہے وہ طالب علموں کی بڑی مدد کرتے تھے۔ علی گڑھ کالج کو ہزاروں

روپے چندے میں دیے۔ طالب علموں کو بھی پیسے کوڑی سے مدد کرتے۔ کاروبار کرنے والے نوجوانوں کو بڑی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ انھیں شوق دلاتے اور ان کی ترقی سے خوش ہوتے تھے
نذیر احمد کی زندگی ذاتی محنت۔ مسلسل محنت، کوشش اور جد و جہد کا بڑا اچھا نمونہ ہے۔ وہ طالب علم جو اپنے نام کے ساتھ شوقیہ ڈپٹی کلکٹر لکھا کرتا تھا نہ صرف ڈپٹی کلکٹر ہوا بلکہ ڈپٹی کا لفظ اس کے نام کے ساتھ ایسا چپکا کہ آج بھی انھیں صرف نذیر احمد نہیں ڈپٹی نذیر احمد کہا اور لکھا جاتا ہے۔ نذیر احمد میں بڑی صلاحیتیں تھیں۔ انھوں نے ہر صلاحیت کو چمکایا۔ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ سادا زندگی گزاری۔ وقت کے پابند ایسے کہ لوگ انھیں گزرتے دیکھ کر گھڑیاں ملا لیتے تھے۔ صاف گو ایسے کہ جو محسوس کیا بے دھڑک کہہ دیا۔ لکھنے والے ایسے کہ جب تک اردو زبان زندہ ہے ان کی کتابیں بھی زندہ رہیں گی۔ ایسے زبردست لوگ ہر قوم کے لیے عزت اور بڑائی کا سبب ہوتے ہیں۔ آج بھی ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑاتے ہیں تو اصغری۔ اکبری۔ نصوح۔ مرزا ظاہر دار بیگ۔ کلیم اور ابن الوقت ہر طرف نظر آتے ہیں۔ یہ نذیر احمد کا کمال ہے کہ ان کے کردار زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے اور ان کا نام زندہ رکھیں گے۔ ۱۹۱۲ء میں نذیر احمد اللہ کو پیارے ہوگئے مگر ایسے لوگ مرتے نہیں دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ سدا زندہ رہتے ہیں۔

• • •

مکتبہ پیامِ تعلیم کی کم قیمت پر
دیدہ زیب اور عمدہ کتابیں
پادری کی رُوح
قیمت 4/50
بڑھیا کی بھینس
قیمت 4/
غذائیں دوائیں
قیمت 8/
بچوں کے
اسماعیل میرٹھی
حکیم نعیم الدین زبیری
قیمت 21/
مولانا شبلی نعمانی
ڈاکٹر اسلم فرخی
قیمت 4/50
قصرِ صحرا - مرزا عظیم بیگ چغتائی
اول تا سوم
قیمت مکمل سیٹ 25/
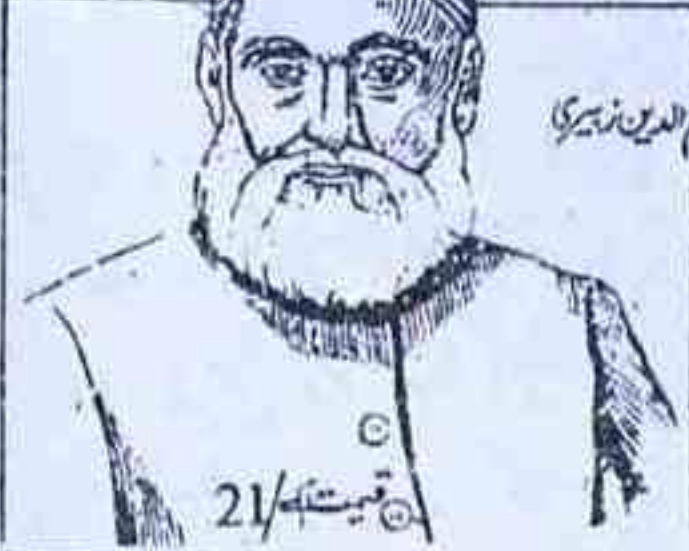
مطبوعات مکتبہ پیامِ تعلیم

PAYAM-I-TALEEM

JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025